بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ　　وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ماہنامہ

انٹرنیٹ گزٹ

# المنار

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ

جون 2011ء　　جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 6

مجلس ادارت　　مدیر : مقصود الحق　　معاون مدیر : مبارک احمد صدیقی و سید نصیر احمد

E-mail : editoralmanar@hotmail.com　　Ph. No. +44 (0) 20 87809026

## ارشاد باری تعالیٰ

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَہۡوٌ وَّزِیۡنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَتَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۱﴾

(الحدید: ۲۱)

جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل کود اور نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کا ایسا ذریعہ ہے جو اعلیٰ مقصد سے غافل کر دے اور سج دھج اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا ہے۔ (یہ زندگی) اس بارش کی مثال کی طرح ہے جس کی روئیدگی کفار (کے دلوں) کو لبھاتی ہے۔ پس وہ تیزی سے بڑھتی ہے۔ پھر تو اسے زرد ہوتا ہوا دیکھتا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں سخت عذاب (مقدر) ہے نیز اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضوان بھی۔ جبکہ دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا ایک عارضی سامان ہے۔

## حدیثِ نبوی ﷺ

.....فَوَاللّٰہِ مَا الۡفَقۡرَ اَخۡشٰی عَلَیۡکُمۡ وَلٰکِنۡ اَخۡشٰی اَنۡ تُبۡسَطَ الدُّنۡیَا عَلَیۡکُمۡ کَمَا بُسِطَتۡ عَلٰی مَنۡ کَانَ قَبۡلَکُمۡ فَتَنَافَسُوۡھَا کَمَا تَنَافَسُوۡھَا فَتُہۡلِکَکُمۡ کَمَا اَہۡلَکَتۡہُمۡ۔ (بخاری کتاب الجہاد)

اللہ کی قسم مجھے تمہارے فقر کا ڈر نہیں۔ مجھے ڈر ہے تو اس بات کا کہ دُنیا کے خزائن تمہارے لئے کھول دئے جائیں گے۔ جس طرح پہلے لوگوں پر کھولے گئے تھے تم دنیا کی طرف راغب ہو جاؤ گے اور اس کی حرص کرنے لگو گے جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے حرص کی۔ پس تم کو بھی یہ حرصِ دنیا ہلاک کر دے گی جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ (حدیقۃ الصالحین صفحہ 754)

## ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اصل بات یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہ ہو بلکہ حصولِ دنیا میں اصل غرض دین ہو۔ اور ایسے طور پر دنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وہ دین کی خادم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لئے زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے تو اُسکی اصل غرض منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتی ہے نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اسی طرح پر انسان دنیا کو حاصل کرے مگر دین کا خادم سمجھ کر۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 91)

## کلامِ امام

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں
نقصاں جو ایک پیسے کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں
ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں
پر اُن کو اُس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں
آنکھیں نہیں ہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں
اے غافلاں وفا نہ کند ایں سرائے خام
دنیائے دوں نماند ونماند بہ کس مدام

(سرمہ چشم آریہ صفحہ 89)

## ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

ایک احمدی سے خدا تعالیٰ کی قدوسیت کی صفت پر یقین کا اظہار اسی وقت ہوگا جب وہ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرے اور پاک ہو تو تبھی اس زمانے کے امام کو ماننے کا فائدہ ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل 11 مئی 2007)

# مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کی اہمیت

''وہ شخص جو ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے''
(سیرت المہدی حصہ سوئم)

## ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ جس کو علم نہیں ہوتا مخالف کے سوال کے آگے حیران ہو جاتا ہے'' (ملفوظات جلد 4 ص 361)

## ان میں جو درد ہے وہ اوروں میں ملنا مشکل ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

''چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ مجھے پسند ہیں کیونکہ آدمی کھڑے کھڑے پڑھ سکتا اور نفع اٹھا لیتا ہے اور معلوم نہیں کہ کب کس پر اثر ہو جائے۔ مگر چھوٹے چھوٹے رسالوں کے سبب حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں کی خریداری کم ہو گئی ہے۔ ان میں جو درد ہے وہ اوروں میں ملنا مشکل ہے''۔ (خطبات نور صفحہ 555)

## حضرت صاحبؑ کی کتابیں جو شخص پڑھے گا اس پر فرشتے نازل ہوں گے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''جو کتابیں ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے۔ اُن کے پڑھنے سے بھی ملائکۃ اللہ نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صاحبؑ کی کتابیں جو شخص پڑھے گا اس پر فرشتے نازل ہوں گے۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے کہ کیوں حضرت صاحبؑ کی کتابیں پڑھتے ہوئے نکات اور معارف کھلتے ہیں اور جب پڑھو جب ہی خاص نکات اور برکات کا نزول ہوتا ہے..... حضرت صاحبؑ کی کتابیں بھی خاص فیضان رکھتی ہیں۔ ان کا پڑھنا بھی ملائکہ سے فیضان حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور ان کے ذریعہ سے نئے نئے علوم کھلتے ہیں''۔ (ملائکۃ اللہ۔ انوار العلوم جلد 5 صفحہ 560)

## دینی علوم کا ایک بحرِ ذخّار اور ایک قیمتی خزانہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعودؑ کی کتب دراصل دینی علوم کا ایک بحرِ ذخّار اور ایک قیمتی خزانہ ہیں۔ ان علوم سے بہرہ ور ہونے اور اس دولتِ بے بہا سے خود کو بھی اور اپنی نسلوں کو بھی مالا مال کرنے میں کسی دم بھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ تا کہ ہم شیطان ملعون کے ہر قسم کے وساوس سے محفوظ رہ کر خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے وارث بنتے چلے جائیں''
(الفضل 12 اکتوبر 1969)

## تمہارے دفاع کا ایک ہی طریق ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بات سب پر واضح کر دی ہے کہ اگر تم میری کتب کا مطالعہ نہیں کرو گے۔ اگر تم اسلام کے بارہ میں تیار کردہ نئے لٹریچر کا مطالعہ نہیں کرو گے اور اگر تم دوسروں کی کتب پڑھتے رہے تو تم ان سے غلط طور پر متاثر ہو جاؤ گے تمہارے دفاع کا ایک ہی طریق ہے کہ پہلے خود کو قرآن کریم کی تعلیمات اور روایات کے مطابق ڈھالو جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ جب میری نظر سے آپ اسلام کی تعلیمات کا اتنا خوبصورت مشاہدہ کریں گے تو کوئی بھی شخص جو اسلام کو بگاڑنا چاہتا ہے اس میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ جہاں تک آپ لوگوں کی بات ہے کیونکہ آپ نے اسلام کا مشاہدہ میری نظر سے کیا ہوگا۔ اسلام کی تمام تر خوبصورتی آپ پر اسی طرح واضح ہو جائے گی جیسا کہ مجھ پر ہوئی ہے۔ اس کے بعد غلط فہمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔
(خطبات طاہر جلد اول صفحہ 182)

## بے بہا خزانے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے تو قرآن کریم کا علم حاصل کرنے کے لئے، دینی علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے جو بے بہا خزانے مہیا فرمائے ہیں ان کو دیکھنا ہوگا۔ ان کی طرف رجوع کریں، ان کو پڑھیں۔ کیونکہ آپؑ نے ہمیں ہماری سوچوں کے لئے راستے دکھا دیئے ہیں۔ ان پر چل کر ہم دینی علم میں اور قرآن کے علم میں ترقی کر سکتے ہیں اور پھر اسی قرآنی علم سے دنیاوی علم اور تحقیق کے بھی راستے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے جماعت کے اندر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتب پڑھنے کا شوق اور اس سے فائدہ اٹھانے کا شوق نوجوانوں میں بھی اپنی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے''۔
(مشعل راہ جلد پنجم حصہ دوم صفحہ 35)

❁❁❁

# ہمارے ہتھیار اور ہیں

''ہم اُن قوموں میں سے نہیں ہیں جو بزدل ہوتی ہیں اور مقابلے سے پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔ ہم ہر چیلنج کا جواب دیں گے (انشاء اللہ) اور ہر حملہ کا سامنا کریں گے۔ لیکن ہمارے ہتھیار اور ہیں اور حق کے مخالفوں کے ہتھیار اور ہیں اُن کا طرزِ کلام اور ہے، ان کی لحن مختلف ہے۔ وہ عناد اور بغض کی آگ جلانے کیلئے نکلیں گے تو ہم محبت کے آنسوؤں سے اس آگ کو بجھائیں گے۔ وہ دنیا کے تیر چلا کر ہماری چھاتیوں کو برمائیں گے اور ہم رات کو اُٹھ کر گریہ وزاری کے ساتھ دعاؤں کے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے''۔
(ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ۔ الفضل 29 جون 1983 صفحہ 5)

## محبت کا ایک آنسو

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن سات قسم کے آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس کے متعلق آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ رجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہُ (وہ شخص جس کی آنکھ اللہ کو تنہائی میں یاد کرتے ہوئے بھر آئے) یہ پُر کیف نظم اسی تنہائی کے آنسو کی تعریف میں لکھی گئی ہے:

ہزار علم و عمل سے ہے بالیقیں بہتر
وہ ایک اشکِ محبت جو آنکھ سے ٹپکا

خراجِ حُسن میں ہر جنس سے گراں مایہ
نُدورِ عشق میں کیا خوب گوہر یکتا

خلاصۂ ہمہ عالم ہے قلب مومن کا
خلاصۂ دلِ مومن یہ اشک کا قطرہ

نہ اِنفعال، نہ حسرت، نہ خوف وغم باعث
وہ ایک اور ہی منبع ہے جس سے یہ نکلا

نہ اس کے راز کو دو کے سوا کوئی جانے
نہ یہ کسی کو خبر کب بنا، کہاں ڈھلکا

جو جھلکے آنکھ میں تو مست و بے خبر کردے
گرے تو لیویں ملائک اُسے لپک کے اُٹھا

نہیں زمانہ میں اس سا کوئی فصیح و بلیغ
جو دل کا حال ہو دلبر سے اس طرح کہتا

عرق ہے خونِ دلِ عاشقاں کا یہ آنسو
یہی ہے نارِ محبت سے جو کشید ہوا

یہ تحفہ وہ ہے جو خالص خدا کی خاطر ہے
نہیں ہے اس میں ریا اور نفاق کا شعبہ

پناہِ تیزیٔ خورشیدِ روزِ محشر ہے
ملے گا اشک کی برکت سے عرش کا سایہ

جو "عینِ جاریہ" درکار ہے اے زاہد خشک
وہ عینِ جاریہ اپنی بھی کچھ بہا کے دکھا

میں کیا سرشکِ محبت تیری کروں تعریف
کہ ذاتِ باری نے خود تجھ کو دوست فرمایا

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ کا عارفانہ کلام مطبوعہ الفضل 23 اکتوبر 1924)

## المنار "alislam.org" پر

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب المنار ای گزٹ جماعت کی ویب سائٹ ''الاسلام ڈاٹ آرگ'' پر Periodicals سیکشن میں شامل ہے۔ خود بھی اس سے استفادہ کریں اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اس کو متعارف کروائیں۔

## پہلی نماز سے آخری نماز تک

''اقامۃ الصلوٰۃ کے معنے باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کے ہیں کیونکہ قام علی الامر کے معنے کسی چیز پر ہمیشہ قائم رہنے کے ہیں پس یقیمون الصلوٰۃ کے یہ معنے ہوئے کہ نماز میں ناغہ نہیں کرتے۔ ایسی نماز جس میں ناغہ کیا جائے اسلام کے نزدیک نماز ہی نہیں کیونکہ نماز وقتی اعمال سے نہیں بلکہ اُسی وقت مکمل عمل سمجھا جاتا ہے جبکہ توبہ یا بلوغت کے بعد کی پہلی نماز سے لیکر وفات سے پہلے کی آخری نماز تک اس فرض میں ناغہ نہ کیا جائے۔ جو لوگ درمیان میں نمازیں چھوڑتے رہتے ہیں اُنکی سب نمازیں ہی رد ہو جاتی ہیں۔ پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ بالغ ہو یا جب اُسے اللہ تعالیٰ توفیق دے اُس وقت سے موت تک نماز کا ناغہ نہ کرے''۔

(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ جلد اوّل صفحہ 104)

## ایک دلکش ہدیہ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''تحدیث نعمت'' میں نیوزی لینڈ کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''میں جنوبی جزیرے سے ولنگٹن واپسی کے لئے مطار پر منتظر تھا اور کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ ایک صاحب تشریف لائے اور فرمایا تم ظفر اللہ خان ہو؟ میرے اقرار کرنے پر فرمایا یہ عجیب حسن اتفاق ہے۔ میں انڈونیشیا کا ایک طالب علم ہوں۔ Queen Town کی یونیورسٹی میں مزید اعلیٰ تعلیم کیلئے آیا ہوں۔ میں نے یہاں ایک دوکان میں اسلام پر تمہاری کتاب دیکھی اور اسے خرید کر ان دنوں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ کتاب اس وقت بھی میرے پاس ہے۔ اس پر دستخط کر دو۔ میں نے خوشی سے ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ انہوں نے بڑی سادگی سے فرمایا **اللہ تعالیٰ تمہیں اس کتاب کے لکھنے کی بہت بہت نیک جزا دے**۔ میرے دل سے ان کیلئے دُعا نکلی اور اللہ تعالیٰ کی ذرہ نوازی پر میرا دل سجدے میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندے کو اکیلے پن کی گھڑی میں کس قدر دلکش ہدیئے سے نوازا۔ سبحدت لك روحي وجناني'' (تحدیث نعمت صفحہ 692)

زندان نامہ

# رتن باغ سے ملتان جیل تک

(مظفر احمد مرزا sutton،لنڈن)

تعلیم الاسلام کالج کے ایک سابق طالب علم مکرم مظفر احمد مرزا صاحب نے اپنے کالج کے دوست مکرم عبدالرشید قریشی صاحب کے نام تحریر کردہ یہ "زندان نامہ" المنار کے لئے عطا فرمایا ہے۔ رہِ مولیٰ میں اسیری کی یہ سچی داستان سنسنی خیز بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

"رشید! جمعے کی نماز کے بعد اکثر ایسا ہوتا کہ میں منصور بی ٹی مرحوم کے پاس کچھ دیر ٹھہرتا، باتیں کرتا۔ ہم قادیان کی یادوں میں کھو جاتے۔ مگر اس کے بچھڑ جانے کے بعد اب تو وہ بات بھی نہ رہی۔ اس نے میری اسیری کے دنوں میں مجھے ایک خط "بنام مظفر احمد بمقام ملتان جیل" لکھا تھا، سنو گے؟

"یہ فروری 53 کی بات ہے۔ ختم نبوت کے نام پر علماء شر نے احمدیوں کے خلاف جو فساد برپا کیا تھا، اس میں کتنے ہی بے گناہ احمدیوں کو شہید کر دیا۔ عمارتیں نذر آتش کیں، جائیدادیں لُوٹیں، غنڈہ گردی کی انتہا ہوگئی۔ قانون نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ پھر مارشل لاء لگا۔ میں بھی اس کا شکار ہوا اور اسی مارشل لاء کی برق ستم نے اُچک کر مجھے رتن باغ سے لاہور جیل پہنچا دیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ آخری بار اپنا بکھرا ہوا مسکن بھی نہ دیکھ سکا۔ پابند سلاسل کئے جانے کی وجہ اور جرم فقط یہ تھا کہ میں احمدی تھا اور بے گناہ تھا۔ لاہور جیل کی جس بیرک میں Cell الاٹ ہوا اس بیرک میں نو، دس Cell اور بھی ہوں گے، مگر وہ سب اُس وقت خالی تھے۔ انتظار تھا کہ ان کے مکین آئیں اور آبادکاری ہو۔ 53 میں اس جیل کے پہلے احمدی آبادکار ہونے کا شرف مجھ حقیر ہی کو حاصل ہوا۔ البتہ ایک اور انڈین سیاسی قیدی بھی وہاں موجود تھا جسے تبدیل کر کے کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا۔ اب وہاں آدم زادوں میں اکیلا میں تھا، مگر ہمارا زندہ خدا وہاں ضرور موجود تھا۔ میرا بستر دو کمبل، ایک دری، ایک تکیہ اور ڈھیر سارے جراثیم جو جیل کے مہمانوں کے منتظر ہوا کرتے ہیں پر مشتمل تھا۔ یہی میرے رفیق تھے اور یہی میرے ساتھی۔ چارپائی کی جگہ سیمنٹ کا ایک چبوترا بنا ہوا تھا جس پر دری بچھائی جاتی تھی۔ لیجئے تیار ہے بستر اور لُوٹئے راحت و آرام کے مزے۔ ناشتے میں دلیا، دوپہر کو دال اور شام کو بڑے گوشت کا سالن اور دو روٹیاں ملا کرتی تھیں۔ کھاؤ اور اللہ کا شکر بجالاؤ۔

Cell شام 5 بجے مقفّل کر دیا جاتا اور صبح چھ سات بجے تالا کھل جاتا۔ سامنے کا پورے کا پورا حصہ دیوار کی بجائے لوہے کی سلاخوں سے اس طرح بنا ہوا تھا جیسے چڑیا گھر میں بنا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی جیل کے وارڈن چکر لگا جاتے یا پھر پرانے قیدی جو اپنی طویل قید کا بڑا حصہ کاٹ چکے ہوتے انہیں "لمبر دار" کہا جاتا تھا، موجود رہتے۔ انہیں ان کی سزا کی نوعیت کے مطابق سیاہ، سرخ اور پیلی ٹوپیاں ملی ہوئی تھیں۔ میں سارا دن جیل کی دیواروں سے باتیں کرتا۔ پر ہوتے تو اُڑ جاتا مگر ایک پرشکستہ بھلا کیا کر سکتا تھا۔

دو روزہ قیدِ تنہائی کے بعد دو بہت ہی معزز ہستیاں آن ملیں۔ پتہ ہے کہ وہ کون تھے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جگر گوشے اور ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے دادا جان حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور ہمارے ٹی آئی کالج کے پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحب تھے۔ جن کی آمد سے ہماری بیرک میں رونق ہوگئی اور وہ بقعۂ نور بن گئی۔ تین Cell آباد ہو گئے۔ چھوٹے میاں صاحب (یعنی حضرت میاں ناصر احمد صاحب) نے مجھے مؤذن مقرر کر دیا۔ اور ہم دونوں باجماعت نماز ادا کرنے لگے۔ بڑے میاں صاحب چونکہ ضعیف بھی تھے اور علیل بھی اس لئے وہ نماز اپنے Cell ہی میں ادا کرتے۔ مجھے حکمِ اذان ہوتا۔ ہم نماز کے لئے قبلہ رُو ہوتے۔ میں اقامت کہتا اور یوں کندھے سے کندھا ملائے محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے۔

اسقدر بزرگ ہستیاں اور مجھ سا ناچیز وجود۔ ادب کی بہت سی دیواریں حائل تھیں۔ چھوٹے میاں صاحب تو ہمارے پرنسپل بھی تھے۔ میں اکثر ان کے Cell میں جاتا، سلام عرض کرتا اور پوچھتا کہ کوئی خدمت ہو تو حاضر ہوں۔ وہ اکثر وقت اپنے Cell میں گزارتے۔ چند دنوں کے بعد دو احمدی اور آگئے۔ مردان سے آئے تھے۔ یہ شیخ عبداللطیف صاحب اور ان کا بیٹا عبدالمومن تھے۔ شیخ صاحب معمر تھے مومن میرا ہم عمر تھا۔ ہم دونوں کا وقت اچھا گزرنے لگا۔ یہ فروری کے ایام تھے۔ موسم دن کو خوشگوار مگر رات کو ٹھنڈا ہوتا تھا۔ ہم دونوں بیرک کے کونے میں کبھی دھوپ اور کبھی سائے میں ساتھ ساتھ بیٹھ جاتے اور جیل پھلانگنے کا سوچتے۔ جو کہ عبث تھا۔ میں لاہور جیل میں قریباً تین ہفتے رہا۔ اس دوران ہماری بیرک میں مزید کوئی قیدی نہیں آیا۔

پچھلے دنوں بیت الفتوح میں ایک کتابچہ نظر سے گزرا۔ اس میں حضرت میاں صاحبان کے انہی ایام اسیری کا ذکر تھا۔ جیل میں ان کے ساتھ رہنے والوں میں کچھ اور لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ شیخ عبداللطیف صاحب، مومن اور میرا دور دور تک کوئی ذکر نہ تھا۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ میرے وہاں سے جانے کے بعد آئے ہوں۔

سب سے پہلے میرا ٹرائل شروع ہوا۔ عدالت بورسٹل جیل میں لگتی تھی۔ سینٹرل جیل سے ایک آرمی آفیسر آگے، درمیان میں، میں اور رائفلوں والے دو باوردی سولجر میرے پیچھے مارچ کرتے ہوئے مجھے بورسٹل جیل لے جاتے۔ ان دونوں جیلوں کے درمیان بہت بڑا میدان، میدان حشر بنا ہوا تھا۔ مرد، عورتیں، بچے سرگرداں و پریشان حال وہاں پھرتے نظر آتے اور اپنے اپنے پیاروں کے مقدمات کے فیصلوں کے منتظر ہوتے۔ کورٹ کیا تھی۔ آرمی آفیسر ایک بڑی میز کے سامنے کرسی پر براجمان تھا۔ ایک جونیئر آرمی آفیسر میز کے ساتھ پراسیکیوٹر کے فرائض سرانجام دینے کے لئے کھڑا تھا۔ ان کے روبرو مجھے کھڑا کیا گیا۔ اس کے علاوہ نسبتاً بڑی عمر کا ایک آدمی بھی وہاں پر تھا، جو بولا تو کچھ نہیں۔ مگر سیاہ کوٹ سے لگتا تھا کہ ضرور وکیل ہوگا۔ وہ کس کا وکیل تھا، علم نہیں ہوسکا۔ نہ ہی عدالت نے اس بارے میں کچھ بتایا۔ ہوسکتا ہے وہ ہیومن رائٹس والوں کی طرف سے ہو۔ نہ سوال ہوا، نہ کوئی جواب اور پہلی پیشی ختم۔ دوسرے دن بھی یہی کچھ ہوا۔ تیسرے دن بھی سنّاٹے کا عالم رہا۔ مجھ سے نہ کچھ پوچھا نہ کچھ جانا گیا۔ کچھ دیر کے بعد عدالت کو پہلی دفعہ بولتے ہوئے سنا۔ کیا سنا؟ کہ "تمہیں 14 سال قید بامشقّت کی سزا دی جاتی ہے" میں کہتا ہی رہ گیا کہ میری بھی سنئے! مگر حکم ہوا اسے یہاں سے لے جاؤ! اگرچہ خوف نام کا کوئی احساس میرے

اندر نہ تھا۔ میری جبلّت ہی ایسی تھی کہ میں مشکل حالات میں بھی گھبرانے والا نہ تھا۔ یہ عمر کے اُس دور کی بات ہے جب آتش جوان تھا اور رگوں میں دوڑنے والا خون پہاڑوں سے ٹکرا جانے کی خُو اپنے اندر رکھتا تھا۔ میں بھلا سنائی جانے والی اس سزا سے کیا ڈرتا؟ رنج اور افسوس ضرور تھا کہ اگر انصاف اور عدالت یہ ہے تو ظلم اور جبر کیا ہوگا؟ یہی وہ ناقابل برداشت احساس تھا جس نے مجھے چکرا کے رکھ دیا اور میں گرتے گرتے بچا۔ گو پرائمری سکول میں جمع تفریق بہت کی ہوئی تھی مگر جو جمع تفریق میں آج کر رہا تھا اس سے میرا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ میں جب بھی 53 میں 14 جمع کرتا تو حاصل جمع 67 ہی بنتا۔ میں سوچتا کہ اُسوقت تک تو جیل میں میری ہڈیاں بھی گل جائیں گی۔

فیصلہ سنانے کے بعد دوبارہ اسی میدان میں سے گزار کر مجھے واپس جیل حکام کے سپرد کر دیا گیا، جو مجھے میری بیرک میں چھوڑ آئے۔ چھوٹے میاں صاحب نے مجھ سے کچھ پوچھا بھی تھا مگر یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیا۔ رشید! اس رات میں اپنے اللہ کے آگے اس ظلم و ناانصافی پر بہت رویا۔ اتنا رویا کہ زندگی بھر نہ رویا ہوں گا۔

اس فیصلے کے دوسرے یا تیسرے روز حکّام نے بتایا کہ تمہیں یہاں سے ملتان جیل ٹرانسفر کیا جا رہا ہے۔ ایک دھچکا اور لگا کہ اپنے ان بزرگوں اور ساتھیوں سے جُدا کر دیا جاؤں گا۔ حضرت میاں صاحبان اور دیگر رفیقان کو ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ الوداع کہا۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ کیوں نہ پہناتے۔ آخر لمبے سفر پر جانا تھا۔ چلنے میں آسانی رہے۔ یہ لو اپنا ثاثہ۔ جیل حکام نے میری قمیص، پتلون اور چند سکے تھماتے ہوئے کہا۔ پھر جیل کی گاڑی میں لیجا کر لاہور ریلوے سٹیشن پر جا بٹھایا۔ بیس پچیس قیدی اور بھی تھے۔ میرے ہم سفر وہ مجرم بھی تھے جن کے ہاتھ معصوم احمدیوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ یہ وہی تھے جنہوں نے احمدیوں کے گھروں کو نذر آتش کیا تھا، ان کی جائیدادیں لُوٹیں تھیں اور ان کے کاروبار تباہ کئے تھے۔ ان قیدیوں کے رشتے دار ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے سٹیشن پر انہیں الوداع کہنے آئے ہوئے تھے۔ ہجومِ خلق کا عجیب عالم تھا۔

میرے ہم سفر قیدی عادی مجرم تھے۔ ہوسکتا ہے ان میں کچھ بے گناہ بھی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے میرا انام پوچھا میں نے بتایا۔ قمیص پتلون میں ملبوس دیکھ کر وہ مجھے باؤ مظفر کہہ کر بلانے لگے۔ شام تک ہم ملتان جیل میں وارد ہو گئے۔ جیل کے کپڑے پہنے۔ جس پر ہر قیدی کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ یہ قاتل، ڈکیت اور چور "ختم نبوت کے قیدی" کے نام سے موسوم ہوئے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے درمیان ایک احمدی بھی موجود ہے۔ اگلی صبح ہم سب کو ایک قطار میں بٹھا کر ایک ایک سیر "مُنج" سامنے رکھ دی گئی اور دوپہر تک اس سے "بان" تیار کرنے کی مشقت سپرد ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ پھر خون بہنے لگا۔ ہاتھوں میں اٹھتی ہوئی ٹیسیں خدا کے حضور دُہائی دینے لگیں۔ کئی روز تک یہی حالت اور یہی کیفیت رہی۔ پھر ہاتھ اس کے عادی ہو کر ریگمال کی طرح ہو گئے اور میں بھی ایک تجربہ کار اور ماہر "وان وٹ" میں بدل گیا۔ جیل میں جیسے لوگ تھے ویسا ہی ماحول تھا۔ ایک فقرے میں کئی کئی گالیاں اور لغو زبان کا استعمال عام تھا۔ اس ماحول میں کوئی اور Choice نہ تھا۔ مجبوراً اکٹھے بیٹھنا پڑتا۔ آپس کی گپ شپ میں بھی کچھ نہ کچھ ساتھ دینا پڑتا اور ان کے ساتھ ہی کھانے میں شریک ہونا ہوتا تھا۔ اس دوران جیل میں کچھ نئے مہمان بھی آ گئے ان میں کچھ پڑھے لکھے نوجوان بھی شامل تھے۔ اگرچہ ہمارا ایک گروپ سا بن گیا مگر جیل پھر بھی جیل ہی ہے۔

وہاں ڈاک دن میں ایک بار آیا کرتی تھی۔ ایک روز میرا نام بھی پکارا گیا۔ جیل میں میرے نام آنے والا یہ پہلا خط تھا۔ جسے کھول کر سب سے پہلے لکھنے والے کا نام پڑھا۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ لکھنے والا منصور بی ٹی ہوگا۔ بہت پیارا خط تھا بار بار پڑھا اور پھر اس طرح سنبھال کے رکھ لیا جیسے کسی محبوب کا نامہ ہو۔ تو یہ ہے قصہ اُس خط کا جس کا میں نے شروع میں ذکر کیا تھا۔ مگر داستان تو ابھی ختم نہیں ہوئی۔ کیا باقی بھی سنو گے؟

ہوا یوں کہ ایک دن حکام کے سامنے میں نے یہ انکشاف کر کے دھماکہ کر دیا کہ میں احمدی ہوں۔ وہ بھی سُن کر حیران ہوئے اور جیل کے جن ساتھیوں کے ساتھ وقت گزار رہا تھا وہ تو سخت متعجّب ہوئے کہ اچھا بھلا مسلمان ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمدی ہوں۔ اس پر حکّام نے مجھے فوراً ایک دوسری بیرک میں منتقل کر دیا جہاں قیدی مستقل طور پر لاک اپ رہتے تھے۔ وہ سب قتل وغیرہ میں ملوث تھے۔ وہ منتظر ہوتے تھے کہ ان کی اپیل پر کیا فیصلہ ہوگا؟ جیل کی زبان میں انہیں "کوٹھی لگنا" کہا جاتا تھا۔

رشید! آج میں ذرا موڈ میں ہوں۔ سنتے جاؤ کہ اس کے بعد وہاں مجھ پہ کیا گزری۔ ہوا یوں کہ میں قاتلوں کی بیرک میں تنگ آ گیا اور میں نے پھر سے پرانی جگہ واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ پرانے رفیق میری واپسی پر خوش ہوئے اور اُنہوں نے مجھے اپنے درمیان ایک احمدی ہونے کی حیثیت میں قبول کر لیا۔ ایک روز کی بات ہے کہ آفس سے مجھے بلاوا آیا اور ایک لمبردار مجھے لینے کے لئے آیا وہ مجھے جیل کے مین گیٹ کے اُوپر واقع آفس میں لے گیا۔ وہاں وردی میں ملبوس دراز قد، تیس پینتیس سال کا ایک خوبرُو جوان کرسی پر تشریف فرما تھا۔ اُس نے کرسی سے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور مجھے خوش آمدید کہا۔ اپنا تعارف کرایا کہ میرا نام خواجہ ذکاء اللہ ہے۔ میں جیل کا اسسٹنٹ سپرنٹینڈنٹ ہوں۔ بولے مجھے علم ہے کہ تم احمدی ہو مجھے بڑا دکھ ہے کہ تمہاری سزا بڑی طویل ہے۔ مجھ سے جو کچھ ممکن ہوا تمہاری مدد کروں گا۔ آج سے تم اس دفتر میں کام کرو گے۔ بتایا کہ میں بھی احمدی ہوں مگر لاہوری جماعت سے ہوں۔ پھر خود ہی بولے تو کیا ہوا ہم دونوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتے ہیں۔

اس کے بعد ہر صبح ناشتے کے بعد لمبردار مجھے دفتر میں لیجاتا اور شام کے کھانے سے قبل واپس اپنی بیرک میں لوٹتا ہوتا۔ اب دوسرے قیدی بھی مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے سوائے ایک نوجوان کے جو کبھی میرے سلام کا جواب نہ دیتا مگر میں اصرار سے اُسے سلام کرتا رہا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اس کا نام بھی مظفر تھا۔ دن بہ دن میرا حلقہ احباب بڑھتا گیا۔ بیرک کے اچھے یا برے سب قیدی مجھ سے ہر بات سننے کو تیار تھے۔ وفاتِ مسیح ہو یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت، میں نے بھی ان سے ہر موضوع پر بات چیت کرنی شروع کر دی۔ میں شام کو لاک اپ ہونے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام خوش الحانی اور زوردار آواز سے سناتا۔ انہیں پسند آتا۔ مگر اُنہیں علم نہ تھا کہ یہ کس کا کلام ہے۔ ایک شام "اک نہ اک دن پیش ہوگا تُو خدا کے سامنے" پڑھ رہا تھا کہ ساتھ والے cell سے آواز آئی کہ کس کی نظم ہے؟ میں نے اُسے بتایا تو کہنے لگا کہ مجھے سناتے جاؤ یقیناً یہ بہت اچھے انسان ہوں گے۔ میں نے کہا کہ اچھے ہی

نہیں بلکہ اتنے اچھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسیح اور مہدی کا مقام عطا فرمایا ہے۔ یہ شخص غفور تھا جو گوالمنڈی لاہور کا دس نمبریا تھا۔ وہ تھانیدار چیمہ پر چاقو سے حملہ کرنے اور احمدیوں کے گھر لُوٹنے کے جرم میں قید تھا۔ اُس کا ایک دوسرا ساتھی بھی تھا جو بہت خطرناک تھا۔ غلام حسین اُس کا نام تھا۔ یہ سب لوگ مجھے اسلامی فرائض ادا کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔ ایک رمضان بھی ہمیں جیل میں آیا تھا اس لئے ان لوگوں کی نفرت اور زہر زائل ہو چکا تھا۔ میں قرآن مجید خوش الحانی اور بلند آواز سے تلاوت کیا کرتا تھا۔ وہ حیران ہوتے تھے کہ مسلمان ہم ہیں کہ یہ؟

ایک دن میں دفتر میں کام کر رہا تھا کہ ایک حوالدار میرے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں کاغذات تھے جن کا اندراج مجھے ریکارڈ میں کرنا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ پولیس والے جب کسی قیدی کو لے کر آتے تو اسے جیل حکام کے سپرد کرنے کے بعد اوپر دفتر میں آجاتے لیکن عجیب ماجرا ہوا کہ وہ حوالدار میری طرف بڑھا اور مجھ سے لپٹ کر چیخیں مار مار کے رونے لگا۔ اُس نے مجھے بھی رُلا دیا۔ پتہ ہے یہ کون تھا؟ یہ لطیف صاحب جو مسجد فضل لنڈن میں ضیافت میں ڈیوٹی دیتے ہیں ان کا بڑا بھائی نسیم تھا۔ قادیان میں دارالفضل میں ان کی رہائش ہوا کرتی تھی۔ انہیں ہم "چھیما" بھی کہتے تھے۔ وہ بعد میں انسپکٹر پولیس ہو کر ریٹائرڈ ہوا۔ (باقی آئندہ شمارے میں)

★★★

# جب میں اس عرصے پر نظر ڈالتا ہوں...

(پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب۔ امریکہ)

جنوری کے المنار کا شمارہ کمپیوٹر کی سکرین پر میری نگاہوں کے سامنے کھلا پڑا ہے، جس نے 64 سال قبل کی ایک سہانی صبح کی یادیں ذہن میں تازہ کر دی ہیں۔ ہماری کچی کی کلاس جامن کے ایک درخت کے نیچے (جو تعلیم الاسلام کالج اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کی حدِ فاصل پر واقع تھا) بیٹھا کرتی تھی۔ پڑھائی شروع ہونے سے قبل کلاس کا مانیٹر چند لڑکوں کو ساتھ لئے سٹور سے چٹائیاں، بلیک بورڈ اور ماسٹر صاحب کی کرسی اُٹھا کر لاتا۔ چٹائیاں تین قطاروں میں بچھا دی جاتیں۔ جونہی اسمبلی کی گھنٹی بجتی، ہم سکول کے صحن میں اپنے مانیٹر کے پیچھے قطار باندھے کھڑے ہو جاتے۔ لڑکوں کا ایک گروپ "مری رات دن بس یہی اک صدا ہے۔ کہ اس عالم کون کا اک خدا ہے" خوش الحانی سے پڑھتا تو ہم سب بیک آواز اُن کے پیچھے اسے دوہراتے تو فضا حمدِ باری تعالیٰ کی مترنم سُروں سے گونج اُٹھتی۔ اس کے بعد جونہی پڑھائی شروع ہونے کی گھنٹی سنائی دیتی تو ہم واپس اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ جاتے۔

ہماری کلاس کے انچارج حضرت ماسٹر محمد بخش سولنگی صاحب اپنا سائیکل درخت کے تنے کے ساتھ کھڑا کیا کرتے تھے اور پھر اپنی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے السلام علیکم فرماتے۔ ہم تعظیماً کھڑے ہو کر وعلیکم السلام عرض کرتے۔ ماسٹر صاحب بیٹھنے کی اجازت دیتے۔ حاضری ہوتی اور پڑھائی کا آغاز قاعدہ یسرنا القرآن کے سبق سے ہوتا۔ پھر نماز کے سبق کی دوہرائی ہوتی۔ ماسٹر صاحب آموختہ سننا شروع کرتے اور اپنی قمیص کے دائیں پہلو کی جیب سے موٹی سی مسواک نکالتے۔ آموختہ نہ سنا سکنے والوں کے ہاتھ پر دو تین بار مار کر سزا دیتے اور آئندہ یاد کر کے آنے کی تلقین کرتے۔ محترم ماسٹر صاحب نہایت متین اور سادہ طبیعت کے تھے۔ سفید ڈھیلی ڈھالی پگڑی، قمیض اور تہمد میں ملبوس، محبت اور محنت سے پڑھاتے۔

پھر تفریح کی گھنٹی کے ساتھ ہی بستوں سے لنچ کے ڈبے نکل آتے، ساتھ ہی ظہر کی اذان کی آواز مسجد نور سے آتی۔ سفید کپڑوں میں ملبوس سکول اور کالج کے طلباء قطار در قطار مسجد پہنچتے۔ نماز اور درس کے بعد ہم قطاروں میں چلتے ہوئے واپس کلاسوں میں پہنچ جاتے اور پڑھائی دوبارہ شروع ہو جاتی۔ گھر کے لئے کام دیا جاتا۔ آخری پیریڈ شروع ہونے کے ساتھ ہی بستے سنبھال لئے جاتے۔ چٹائیاں تہہ کر کے کرسی کے ساتھ سٹور میں پہنچا دی جاتیں۔ اس دوران کلاس دو قطاروں میں بٹ چکی ہوتی اور پہاڑے کہلوائے جاتے۔ جونہی چھٹی کی لمبی گھنٹی بجتی ہر کوئی بستہ اٹھا کر گھر کی راہ لیتا۔ رستے میں پتھروں سے کھیلتے، دھول اُڑاتے اور شام کی گیم کا پروگرام بناتے ہوئے محلّے کی گلیوں میں اپنے اپنے گھروں کے کھلے کواڑوں میں غائب ہو جاتے۔

پھر منظر تیزی سے بدلتے گئے، ملک کا بٹوارا ہوا، ہجرت کر کے پاکستان وارد ہوئے۔ آٹھویں جماعت میں وقف کی توفیق ملی۔ دسویں کرنے کے بعد جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخل ہونے کا ارشاد ہوا۔ میٹرک کے نتیجے کے بعد ابا جان مجھے لئے جامعہ احمدیہ ربوہ پہنچے۔ جون کی گرمی کیا تھی کہ الامان۔ چنانچہ ابا جان نے اڈے سے ہی تانگہ لیا اور ہم جامعہ جا پہنچے۔ وہاں جا کر جب یہ پتہ چلا کہ جامعہ تو سالانہ گیمز کی وجہ سے بند ہے تو ہم پرنسپل جامعہ حضرت مولانا ابو العطا جالندھری سے ملنے ان کے گھر چلے آئے۔ مولٰنا نے تجویز دی کہ "اصل مقصد تو سلسلہ کی خدمت ہے جو ڈاکٹر یا پروفیسر بن کر بھی کی جا سکتی ہے"۔ چنانچہ مجھے تعلیم الاسلام کالج میں ایف ایس سی میڈیکل میں داخل کروا دیا گیا جس کے بعد لاہور آ کر پہلے بی ایس سی اور پھر 1963 میں پنجاب یونیورسٹی سے زوالوجی میں ایم ایس سی کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایت کے مطابق نظارتِ تعلیم سے رابطہ کیا۔ جہاں سے کالج میں رپورٹ کرنے کو کہا گیا۔ پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے میری سندات ملاحظہ فرما کر ایف ایس سی کی کلاسیں لینے کا ارشاد فرمایا۔ یوں اس شاندار اور تاریخی مادرِ علمی سے میرا بطور استاد تعلق ستمبر 1963 سے شروع ہو کر ستمبر 1999 تک قائم رہا۔ جب میں اس سارے عرصے پر نظر ڈالتا ہوں تو چھ سال کا وہ بچہ مجھے یاد آجاتا ہے جو 1947 میں کچی کلاس میں ٹاٹ پر بیٹھا تعلیم الاسلام کالج قادیان کی عظیم الشان عمارت کو دیکھا کرتا تھا۔ پتا نہیں اس چھوٹی سی سوچ میں کیا خواہشیں ہوں گی جو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ساتھ اس 36 سالہ تعلق سے پوری ہوئیں۔ الحمدُ للہ۔

# مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب

(از پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرواز ی صاحب)

تعلیم الاسلام کالج تو میری روح میں بسا ہوا ہے۔اس کے طلباء قدیم ہوں یا جدید مجھے اپنے وجود کا حصہ لگتے ہیں۔اس لئے کہ اس درسگاہ نے ہمیں صرف علم ہی نہیں دیا عمل کی روشنی بھی دکھائی اور علم و عمل کے اس امتزاج نے ہماری زندگی کی راہیں آسان کر دیں۔ مجھے یاد ہے 1961ء میں پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) نے مجھے حکم دیا کہ کالج کے طلبائے قدیم کو ایک انجمن میں منظم کرو۔ چنانچہ میں نے انجمن طلبائے قدیم تعلیم الاسلام کالج کا ڈول ڈالا۔ پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ربوہ اور اس کے اردگرد کالج کے جتنے طلبائے قدیم تھے ان سے رابطہ کیا اور ایک ڈنر کا اہتمام کیا جس میں کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ طلبائے قدیم شریک ہوئے۔نہایت بے تکلفی کے ماحول میں صرف کھانا ہوا کوئی تقریریں وغیرہ نہیں ہوئیں کیونکہ اس کا مقصد محض تعارف اور روشناسی تھا۔قبلہ پرنسپل صاحب کا ارشاد ہی یہ تھا کہ ایک دوسرے کو جان لو گے تو بعد کو ایک جگہ اکٹھے ہو کر بیٹھنا اور اپنا دستور اساسی بنالینا۔مگر ایسا نہ ہو سکا جس کی بہت سی وجوہات تھیں۔بڑی وجہ تو پرنسپل صاحب کی انجمن کی اور دیگر جماعتی مصروفیات تھیں اور ہماری تربیت ہی ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ بغیر ان کی منظوری کے ایک قدم بھی اٹھائیں۔اس بات کا ذکر محترم چوہدری محمد علی صاحب نے انجمن طلبائے قدیم جرمنی کے نام اپنے پیغام میں بھی فرمایا ہے۔یوں تو کالج کے طلبائے قدیم ہر جگہ، ہر موقع اور ہر پیغام پر پرنسپل کی آواز پر لبیک کہتے رہے ہیں مگر باقاعدہ تنظیم کی صورت میں منظم ہونا اب آ کے شروع ہوا ہے۔مختلف ملکوں میں یہ تنظیمیں قائم ہو رہی ہیں اور میرے لئے اس میں فخر کی یہ بات ہے کہ جو کام میں شروع کر کے آگے نہ بڑھا سکا میرے شاگرد اس کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

دراصل یہ مضمون میں نے کالج کے ایک قدیم طالب علم میاں عبدالسمیع نون کے ذکر خیر میں لکھنا شروع کیا تھا مگر کالج کا ذکر ہو تو وہی مضمون ہونا ہے کہ ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا۔میاں عبدالسمیع نون کالج کے ابتدائی طالب علموں میں سے تھے اور اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ مجھے اس کالج کے اولین طلبا میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔جب میں نے انجمن طلبائے قدیم کے ڈنر کا ذکر ان سے کیا تو فرمانے لگے: الحمدللہ کالج کے پروانوں کو جمع ہونے کا موقع ملے گا، میں سر کے بل آؤں گا۔آئے اور اہلے گہلے پھرتے، طلباء سے ملتے اور کالج کے زمانہ کی باتیں کرتے رہے۔دوسرے کالجوں کے طلباء بھی اپنی مادر علمی کے بارہ میں محبت کا تعلق رکھتے ہوں گے مگر تعلیم الاسلام کالج کے قدیم طلباء جذباتی تعلق رکھتے تھے۔مجھ سے جب بھی ملاقات ہوتی یہی فرماتے کہ میاں تمہارے سسرال والوں سے میرا اہم وطنی کا تعلق ہے، تمہارے ابا سے میرا دوستی کا رشتہ ہے مگر تمہارے ساتھ ان سب رشتوں سے بڑھ کر یہ رشتہ بھی ہے کہ تم تعلیم الاسلام کالج کے نہ صرف طالب علم رہے ہو بلکہ اس میں پڑھا بھی رہے ہو۔

بات سسرال کے رشتہ سے ہی شروع ہو تو مناسب لگتی ہے۔میرے دادا خسر حضرت مولانا محمد اسماعیل حلالپوری اور میاں عبدالسمیع نون کے والد گرامی میاں عبدالعزیز نون میں دانت کاٹی روٹی کا تعلق تھا۔قبلہ مولانا محمد اسماعیل حلالپوری لاہور میں دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ احمدی ہوئے۔خاندان والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے انہیں حلالپور بلایا اور دھکے دے کر گھر سے نکال دیا بلکہ کپڑے بھی اُتروالئے۔جوتے چھین لئے اور کہا اب اس خاندان سے یا گاؤں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔حضرت مولانا حلالپوری اللہ توکل گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔اپنے دوست میاں عبدالعزیز کی طرف بھی رخ نہیں کیا کہ اللہ کی راہ میں تکلیف دیا گیا ہوں اس لئے دوسرے کی طرف مدد کے لئے کیوں دیکھوں۔مگر میاں عبدالعزیز نون کو اس حادثہ کی بھنک پڑی تو اپنے سوار دوڑائے کہ جہاں سے ملیں مولوی صاحب کو ڈھونڈ کر لے آؤ۔مولوی صاحب پاپیادہ بھوکے پیاسے سفر میں تھے۔نون صاحب کے سواروں نے انہیں جالیا اور میاں صاحب کے پاس لے آئے۔میاں صاحب ان کی طبیعت اور غیرت مندی سے واقف تھے۔منہ سے کچھ نہیں کہا، خاطر داری میں لگ گئے اور کچھ دن اپنے پاس رکھ کر انہیں مناسب زاد راہ کپڑے لتے دے کر لاہور سے قادیان پہنچا دیا۔یہ تعلق عمر بھر قائم رہا اور دونوں خاندان گویا ایک ہی خاندان شمار کئے جاتے رہے۔میاں عبدالعزیز نون خاصے بڑے زمیندار تھے۔غالباً چار مربع زرعی اراضی کے مالک تھے مگر اپنی فاقہ مستی میں مگن تھے۔وہ تو میاں عبدالسمیع نون نے وکالت کے بعد سرگودھے میں بہت ناموری کمائی۔اپنی آبائی زمین کو درست کیا، سرگودھا میں جائیداد بنائی۔فرمایا کرتے تھے میں بڑے بلکہ بڑے غریب زمیندار کا بیٹا ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی برکت سے میرا گھر بھر دیا ہے۔

میاں عبدالسمیع نون بہت اعلیٰ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ان کے نہایت اچھے مضامین گاہے بگاہے سلسلہ کے پرچوں میں چھپتے رہتے تھے۔اشعار انہیں بہت یاد تھے یا انہوں نے کہیں نوٹ کر رکھے تھے۔ہر مضمون میں ان کا برمحل استعمال کرتے اور قارئین سے داد پاتے۔تعلیم الاسلام کالج کی دونوں اردو کانفرنسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوئے بلکہ یہ تک کہا کہ اگر سرگودھے یا کسی اور جگہ سے کسی معزز مہمان کو لانے کی ضرورت ہو تو وہ اپنی گاڑی دینے کو تیار ہیں۔1967 میں ہمارے پرنسپل ''حضرت صاحب'' کے مرتبہ پر سرفراز ہو چکے تھے۔ہمیں کس چیز کی کمی تھی۔سرگودھے سے ویسے بھی وزیر آغا کی گاڑی ہماری کانفرنس کے لئے مستعد اور وقف تھی کیونکہ آغا صاحب بھی اردو کی خدمت کیلئے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔حافظ ڈاکٹر مسعود احمد اور محترم قریشی محمود الحسن، پروفیسر غلام جیلانی اصغر، عصمت علیگ سرگودھے میں کالج کی اردو کانفرنس کے نمائندوں کی حیثیت سے اہل ذوق کو دعوت دینے اور ربوہ لانے لے جانے پر ہمہ وقت تیار تھے۔حالانکہ حافظ صاحب اور قریشی محمود الحسن کالج کے طالب علم نہیں تھے اور جیلانی صاحب اور عصمت علیگ تو احمدی بھی نہیں تھے۔اب جن جن لوگوں کا میں نے نام لیا ہے وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں۔سرگودھا ویران ہو گیا ہے۔

پڑے ہیں خاک میں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی حسینوں کو

پاکستان سے میری ہجرت کے بعد میاں عبدالسمیع نون سے ملاقات جرمنی میں ہوئی۔تعلیم الاسلام کالج اولڈ بوائز نے انہیں اپنی کسی تقریب میں بلا رکھا تھا۔مجھے بھی حکم تھا کہ حاضر ہوں۔میں سویڈن سے لندن اور پھر بریڈفورڈ سے ہوتا ہوا فرینکفرٹ پہنچ گیا۔میاں صاحب نے ترکی ٹوپی پہن رکھی تھی اور صدارت کی کرسی پر براجمان تھے۔اجلاس شروع ہوا تو میاں صاحب نے ایک نئی روایت قائم کی۔اُٹھ کر اپنا خطبہ صدارت پڑھ ڈالا اور فرمایا خدا معلوم محفل کے آخر تک میرا خطبہ سننے کو کوئی بیٹھا بھی رہے گا یا نہیں؟ گویا میاں صاحب روایت شکن آدمی تھے۔سرگودھا بار میں کئی روایتیں آپ نے بنائیں، کئی توڑیں۔ایک روایت تو غریب مؤکلوں کے مفت کیس لڑنے کی تھی دوسرے وکلاء جز بز ہوتے کہ میاں صاحب تو زمیندار آدمی ہیں ہمارا رزق کیوں گنواتے ہیں۔مؤکل ہر پھر کر انہی کے پاس آتے تھے۔

پھر یہاں اپنی پوتی عزیزہ اسما کو ملنے کو تشریف لائے تو ان سے محفلیں رہیں۔ مگر فارغ بیٹھنا انہیں کھلتا تھا۔ کہتے تھے پابند ہو کر رہ گیا ہوں اس لئے۔ زیادہ نہیں ٹھہروں گا۔ وہ ان کا کینیڈا کا آخری سفر ثابت ہوا۔ پاکستان جانے کے بعد ان سے خط وکتابت رہی۔ پھر کسی حادثہ کا شکار ہوئے جان تو بچ گئی مگر لکھنے پڑھنے سے جی اُچاٹ ہوگیا۔ میری کتاب احمدیہ کلچر طلب کی۔ میں نے کسی کے ہاتھ بھیجی تو نہایت ممنونیت کا اظہار کیا اور کہا کتاب پڑھتا اور ربوہ، قادیان کی سیر کرتا رہتا ہوں۔ از بسکہ ان سے خط وکتابت میں تعطل آگیا۔ آنے والوں کے ہاتھ پیغام رسانی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی۔ آخری بیماری کا نہ مجھے پتہ چلا نہ ان کی طرف سے کوئی اطلاع آئی۔ اچانک کرنل دلدار احمد صاحب نے مشن ہاؤس سے فون کر کے ان کی ناوقتی سنائی۔

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

موصی تھے، ربوہ میں دفن ہوئے۔ اسما بیٹی سے تعزیت کی۔ اگلے روز عزیزی عبد البصیر نون سے تعزیت کی کہ ان کی دوسری اولاد سے تعارف ہی نہیں تھا اور بصیر تو ہمارا شاگرد ہے۔ کہنے لگا دعا کریں ہم بھائیوں میں اتفاق اور محبت قائم رہے۔ ہم نے آمین کہی۔ اللہ تعالیٰ اس مخلص خاندان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

میاں عبد السمیع نون کی سب سے بڑی خصوصیت حضرت اقدسؑ کے خاندان سے ان کی بے لوث محبت تھی۔ کسی کا نام بھی آتا تو بچھ بچھ جاتے۔ بڑے ہوں یا چھوٹے سب ہی ان کی محبت کا مورد بنتے۔ پنڈی یا جہلم کے سفر میں حضرت صاحب سرگودھا یا ان کے علاقہ بھلوال سے گزرتے تو حتی الوسع حضور کی اردل میں رہتے۔ مہمانداری کا شرف کئی بار حاصل کیا۔ اگرچہ حضرت صاحب ان سے بے تکلفی کی حد تک کھل کر بات کرتے تھے مگر میاں صاحب کبھی بے تکلفی کے مرتکب نہ ہوئے۔ ہمیشہ حضرت صاحب کے مرتبہ کا لحاظ رکھا اور انہیں اپنا استاد ہی نہیں مرشد سمجھ کر بات کی۔ ربوہ بھی آتے تو پہلے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر کسی اور طرف رخ کرتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تعلیم الاسلام کالج کے اس قدیم مخلص احمدی طالبعلم سے مغفرت اور عفو کا سلوک فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے اور ان کی اولاد کا حافظ وناصر ہو اور ان میں بھی وہی محبت اور خلوص قائم رکھے جس کا ورثہ ان کے بزرگ باپ دادا نے ان کیلئے چھوڑا ہے۔

(الفضل ربوہ 28 اپریل 2011)

## جلسہ سالانہ

جماعت احمدیہ برطانیہ کا 345واں جلسہ سالانہ مورخہ 24-23-22 جولائی 2011 کو حدیقۃ المہدی میں منعقد ہو رہا ہے۔ (انشاء اللہ)۔ یہ ایک بہت ہی پُرسعادت موقع اور مبارک جلسہ ہے جس کا آغاز خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ لہٰذا اس میں شامل ہونے کے لئے ابھی سے عزم کر لیں، اپنے کام سے رخصت کا انتظام بھی فرما لیں اور جلسہ کے بخیر وخوبی انعقاد اور اس کی کامیابی کے لئے خاص طور پر دعائیں بھی کرتے رہیں۔

یہ جلسہ نہیں ہے کوئی عام جلسہ
جو مہدی کے ہاتھوں سے جاری ہوا
یہ پودا لگایا ہوا ہے خدا کا
جو سایا فگن ساری دنیا پہ ہو گا

## المنار نیوز لائن

☆ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہیدؓ کے پوتے مکرم راشد لطیف راشدی صاحب (سابق طالب علم تعلیم الاسلام کالج) امریکہ میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضور انور نے 13 مئی 2011 کے خطبہ جمعہ میں مرحوم کا ذکر فرمایا اور نمازِ جنازہ غائب پڑھائی۔

☆ مکرم نصیر احمد صاحب بُندا مورخہ 22 فروری 2011 کو کینیڈا میں بعمر 68 سال وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم تعلیم الاسلام کالج کی باسکٹ بال ٹیم کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث) نے آپ کو "بُندا" کا خطاب عطا فرمایا تھا جسے انہوں نے اپنے نام کا مستقل حصہ بنا لیا تھا۔ مرحوم موصی تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ وبنصرہ العزیز نے 28 اپریل 2011 کو مسجد فضل لنڈن میں انکی نمازِ جنازہ غائب پڑھائی۔

☆ اگر کوئی دوست باسکٹ بال کے حوالے سے مکرم نصیر بُندا صاحب کے بارے میں کوئی نوٹ اور اُن کی تصویر بھجوا سکیں تو اسے المنار کی کسی آئندہ اشاعت میں شامل کر لیا جائے گا۔ انشاء اللہ (مدیر)

## المنار نامہ

### ہر چیز موجود ہے

المنار کے جنوری اور فروری کے شمارے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ ماشاء اللہ عمدہ آغاز ہے۔ جس انداز میں اسے ڈیزائین کیا گیا ہے وہ مجھے پسند آیا ہے۔ لگتا ہے کہ ہر چیز ہی اس میں موجود ہے۔ اللہ مبارک کرے اور مزید ترقیات دے آمین۔

(سعیدہ بقاپوری۔ کینیڈا)

### ہر عمر کے لوگوں کے لئے

ماشاء اللہ المنار آنکھوں کو بھی بھاتا ہے اور دل کو بھی۔ مواد اچھا اور دلچسپ ہے۔ ہر عمر کے لوگوں کو مفید مطلب مواد پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ المنار بھجوائے جانے والوں کی فہرست میں براہِ کرم مجھے بھی شامل کر لیں۔

(نعیم احمد رضا۔ لنڈن)

### چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا

المنار نظر سے گزرا۔ دیدہ زیب اور دلچسپ ہے۔ معیاری اور علمی بھی۔ عمدگی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ پڑھنا شروع کریں تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

(قیصر ندیم۔ لنڈن)